پھولوں کا ہار

حضرت نجم آفندی اکبرآبادی کی دلچسپ نظموں کا مجموعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادب اردو میں ایک قابل قدر اضافہ

منظور انتخاب کلام نفیس تھا — سب پھول چن لئے ترے منہ کے جھڑے ہوئے

پھولوں کا ہار

یعنی

جذبات فطرت کے مصور تہذیب و اخلاق کے معلم ہندوستان کے مشہور و معروف اہل قلم اور سحر نگار شاعر مرزا اجمل حسین نجم آفندی اکبر آبادی کی وہ نتیجہ خیز مشہور و مقبول قومی نظمیں جو آل انڈیا شیعہ کانفرنس اور شیعہ کالج فاؤنڈیشن کمیٹی کے اجلاسوں میں پڑھی گئیں نیز وہ ادبی اور اخلاقی نظمیں جو وقتاً فوقتاً ملک کے اخبارات میں شائع ہوتی رہیں ایک مجموعہ کی صورت میں جو تہذیب و اخلاق کا مکمل نمونہ اور چمنستان ادب کے پھولوں کا ایک تازہ و شگفتہ ہار ہے ملک و قوم کے سامنے پیش کی جاتی ہے

مصنف سے غازی آباد ضلع میرٹھ کے پتہ پر طلب کیجیے

مرتبہ مرزا کوکب آفندی

بار اول ۱۰۰۰

نامی پریس میرٹھ میں باہتمام منشی عبداللہ پرنٹر چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہی خطا ہی اسے تو خطا سمجھ نہ سمجھ نہ اہل کبر سے ہوں اور نہ خود پسند ہوں میں
تجھے غرور جو ہے اپنی بے نیازی کا مجھے بھی ناز ہی تیرا نیازمند ہوں میں

برباد ہوں پہ دیارِ آباد کا ہوں ممنون طبیعت خداداد کا ہوں
اے نجم زبانِ میر میری ہے زباں بلبل جو میں باغ اکبرآباد کا ہوں

ارماں ہوں لیکن نہ نکلنے والا دل ہوں نہ کبھی مگر بہلنے والا
ہستی ہی مثالِ شمع میری ای نجم دن کو خاموش شب کو جلنے والا

موجیں دکھا رہا ہی گنگ وجمن کا سنگم اب کیا جلا سکیں گے طعنوں کی آگ والے
پی جائیں جام الفت پیاسے کہاں ہیں آئیں دل کی لگی بجھانے اٹھیے پراگ والے

کیسا مسافر نوازیاں کیں ہیں رہیں احباب اپنے شاد آباد
گھر ہے یہ منتوں مرادوں کا اور آباد ہو مراد آباد

ہر قلب میں ہے عزت و تکریم مساوات
ہر قوم ہے اب حامیٔ تعلیم مساوات
اس رازِ محبت سے نہ تھا ایک بھی واقف
اسلام نے کی خلق میں تقدیم مساوات

واجب ہے مسلمان پہ تعظیم مساوات
قرآن نے دی ہے ہمیں تعلیم مساوات
بُنیادِ محبت ہے یہی نقطۂ محبوب
کیوں مرکزِ اسلام نہو میمِ مساوات

دُنیا کو ادب سکھانے اسلام آیا
قرآن لئے خدا کے پیغام آیا
ہم نے جو نہ کی قدر اُٹھائی ذلت
اگلوں نے جو سمجھا تو انہیں کام آیا

دیکھو تو ہے قرآن میں سب کچھ موجود
حکمت بھی شریعت بھی سیاست بھی ہے
اللہ نے بھیجا ہے مکمل قانون
ہے دین بھی دُنیا کی حقیقت بھی ہے

چُن چُن لئے دُنیا نے جواہر ریزے
کیا کیا نہ دریغش بہا بات آئے
عالم ہوا اخلاق حسن سے معمور
اسلام کے ساتھ عدل و مساوات آئے

۵

تخصیص امیری و فقیری نہ رہی — کرنے یہ غریبوں کی مدارات آیا
یکساں ہوئیں نعماتِ الٰہی تقسیم — اسلام لئے عدل و مساوات آیا

وہ عدل اور وہ مساوات اب کہاں ہے انجم — کہ جس کو دیکھ کے غیروں نے بھی تاسی کی
انہیں کو آج مسلمان چھوڑ بیٹھے ہیں — کہ جن اصول سے اسلام نے ترقی کی

کس لطف سے فرماتے ہیں تو چپ کیوں ہے — شیریں دہنوں میں ہو سنائی میری
ہوتی ہیں یہ تقدیر کی باتیں اے انجم — بھاتی ہے انہیں تلخ نوائی میری

بولوں جو میں کچھ زبان پکڑے دنیا — بیداد ہو داد کے عوض میں حاصل
چپ ہوں تو ہوں شکوہ سنج احباب انجم — گویم مشکل وگر نگویم مشکل

رٹ لیا ہے سب نے طوطے کی طرح — ہو گئی ہے اک کہانی قوم قوم
قول سب کچھ ہیں عمل کچھ بھی نہیں — لوگ کہتے ہیں زبانی قوم قوم

روحانی گورنمنٹ سے اپیل

فقیر خوار ہے اک نجم کی حقیقت کیا
کہ دم بخود ترے آگے ہیں ظلِّ سبحانی

خطا معاف مگر اب نہیں ہے ضبط کی تاب
کہ اپنی حد سے بھی کچھ بڑھ گئی پریشانی

ضدیں اُٹھاتا ہے تو آپ اپنے بندوں کی
پھر اس پہ ناز کریں کیوں نہ انسی و جانی

تجھے خبر ہے گزرتی ہے جو غریبوں پہ
چھپا ہوا نہیں کچھ تجھ سے دردِ پنہانی

نہ اب ہیں قحط کے لائق نہ جنگ کے قابل
بہت ہوئی ترے بندوں کی خانہ ویرانی

اُٹھا ان آنکھوں سے طوفان اشکِ حسرت کا
نہ آئی کیوں ترے بحرِ کرم میں طغیانی

جسے بھی دیکھئے رنج و الم کی ہے تصویر
ہوئے ہیں دہر سے معدوم خندہ پیشانی

مصیبتیں جو ہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے
بنے ہیں بندۂ آزاد شکلِ زندانی

اُٹھے ہوئے ہیں دعاؤں کو سوکھے سوکھے ہاتھ
دکھا دے قحط میں لطف و کرم کی ارزانی

زیادہ حدِّ ادب رُک گئے زبان و قلم
مخاطب اپنا نہیں کوئی گوشِ انسانی

چہ حاجت است بہ پیشِ تو حالِ دل گفتن
کہ حالِ خستہ دلاں را تو خوب میدانی

دل کے ٹکڑے

ہم سا بھی نہ بدقسمت عالم میں کوئی ہوگا ؎ فریاد رہی اپنی محتاج اثر برسوں
ہو داد طلب کس سے حسرت زدگیٔ دل کی ترسا کیا درماں کو کیا درد جگر برسوں
ہم چشم زمانہ میں کھٹکا کئے مدت تک ؎ ہم سے رہی برگشتہ دنیا کی نظر برسوں
ہم ہیں کہ زمانے کی ہے مشقِ ستم ہم پر ہم ہیں جو رہے وقفِ شمشیر و تبر برسوں
بربادی نے مدت تک کی اپنی ہوا خواہی آباد کیا ہم نے ویرانی کا گھر برسوں
گیتی کی بلائیں تھیں گردوں کی جفائیں تھیں ؎ دونوں نے کیا ملکر زیر و زبر برسوں
دیواروں میں چنوایا زندہ کبھی جلوایا بیداد رہی ہم پر یہ آٹھ پہر برسوں
زندانِ بلا اپنے منت کشِ ہستی ہیں خالی نہ رہے ہم سے اک دن بھی یہ گھر برسوں
ہم دفترِ ہستی میں اوراق پریشاں تھے ؎ ملتی تھی نہ بھائی کو بھائی کی خبر برسوں
آرام سے کب گزری آرام سے کب بیٹھے ؎ پھرتے رہے دنیا میں ہم خاک بسر برسوں
مشہور ہے عالم میں بے بال و پری اپنی آزادی پہ ڈالی ہے حسرت سے نظر برسوں
اب اپنے ہی ہاتھوں سے ہوتا ہے ستم ہم پر ؎ ممنون رہے پہلے غیروں کے اگر برسوں
اس عہد میں بیٹھے تھے دو چار ذرا ملکر ؎ مانگی تھی دعا دل سے جب شام و سحر برسوں

اللہ کی قدرت سے دیکھا تھا یہ دن ہم نے — جس کا نہ گمان بھی تھا یاں پیشِ نظر برسوں
ہی فکر کہ اُن میں بھی یوں تفرقہ پڑ جائے م — ل بیٹھنے کو ترسیں جو آٹھ پہر برسوں
کچھ دن کی ریاضت تھی جس پر کہ ستم ٹوٹا — یہ داغ نہ جائے گا سینہ سے مگر برسوں
یہ صدر کا جھگڑا کیا سب صدر سبھی ہیں ہم میں — ایسے جو اُٹھے فتنے کم ہوگا نہ شر برسوں
کچھ نجم بھی کہتا ہے کچھ نجم کی بھی سُن لو — تازہ ہے ابھی قصہ پھر پیٹو گے سر برسوں
تم خونِ جگر سے بھی سینچو گے اگر اس کو — یہ نخل نہ لائے گا اس طرح ثمر برسوں
کرنا ہے جو کچھ تم کو مل جاؤ پھر آپس میں — بس آج کہ کل یونہی گزریں نہ مگر برسوں
خود مطلبیاں چھوڑو خود غرضی سے مُنہ موڑو — حالت نہیں ہونے کی پھر نوع دگر برسوں
مل جُل کے زمانے میں جو چاہو گے کر لو گے م — یوں کچھ بھی نہیں ہوگا چاہا کرو گر برسوں
برٹش کی حکومت میں پائی ہے یہ آزادی — واجب ہے کریں اُس کا ہم شکر اگر برسوں
اشعار نہ کہہ دینا ٹکڑے ہیں مرے دل کے م — ہے درد تو جائیگا دل سے نہ اثر برسوں
جو نجم کو کہنا تھا لمحوں میں وہ کہہ گزرا م — اب آگے متدبر ہے سمجھو نہ اگر برسوں

ہے کانفرنس اپنی امیدوں کا سرچشمہ
اللہ رکھے قائم اس کو باثر برسوں

۹

دردِ دل

کون سنتا ہی کسے کوئی سنائے دردِ دل   ہی عجب پُر درد قصہ ماجرائے دردِ دل
بھا گئی ہی اس قدر دل کو ادائے دردِ دل   مدتوں سے دل اُٹھاتا ہی جفائے دردِ دل
خونِ دل برسوں سے ہی ہمدم غذائے دردِ دل

ایسی شدت تھی نہ پہلے اس بلا کا درد تھا   کرب تھا اتنا نہ بےچینی نہ ایسا درد تھا
ہوک سی اُٹھتی تھی کچھ کچھ تھوڑا تھوڑا درد تھا   ہلکی ہلکی سی چمک تھی میٹھا میٹھا درد تھا
یاد ہی مجھ کو جو کچھ تھی ابتدائے دردِ دل

تیز ناخن بن گئی اب مجھ کو ہستی درد کی   چین ہی لینے نہیں دیتی ہی شوخی درد کی
اک زمانہ سے کہی ہی میں نے کہانی درد کی   میں نے کس کس کو دکھائی سینہ کاوی درد کی
میں نے کس کس کو سُنایا ماجرائے دردِ دل

درد کی شدت ہو جب ہمدرد ملتا ہے کہاں   آہ و نالہ نے دکھائیں کیسی کیسی گرمیاں
تھک گیا اپنا اثر دکھلا کے جب سوزِ نہاں   لے ہی آیا واہ واہ آگے قاصد اشکِ رواں
ڈھونڈھ کر پہنچا ہے اک آشنائے دردِ دل

مٹ گئی باتوں پہ دُنیا اس بلا کا سحر تھا   کیسے حسینوں کی نظر سے ملتا جُلتا سحر تھا

میں یہ کہتا ہوں کوئی اعجاز تھا یا سحر تھا — اُس کی باتوں میں خدا ہی جانے کیسا سحر تھا

چل گئی سارے زمانہ میں ہوائے دردِ دل

سر ہتھیلی پہ لیئے جاتے ہیں ساماں ڈھونڈنے — شمع ہاتھوں میں لیئے نکلے شبستاں ڈھونڈنے

داغ دل لیکر چلے جائے چراغاں ڈھونڈنے — درد پیدا کر کے نکلی قوم درماں ڈھونڈنے

اہلِ دل جو تھا وہی تھا مبتلائے دردِ دل

بے خبر جب تھا تو یہ ہمدردیاں تھیں ناگوار — درد کو بیدرد بنکر کوستا تھا بار بار

کیا خبر تھی یہ خزاں کے بھیس میں ہوگی بہار — دردِ دل کے ہیں تصدق دردِ دل کے ہیں نثار

شیعہ کالج کی بنا نکلی بنائے دردِ دل

علم کے پھولوں سے بھر جائیگا داماں ایک دن — داغ دل بن جائیں گے اپنے گلستاں ایک دن

ہوگا ان ہاتھوں ہی سے کالج کا ساماں ایک دن — درد بڑھتے بڑھتے بنجائیگا درماں ایک دن

عید ہوگی جبکہ ہوگی انتہائے دردِ دل

کام آئے قوم کے ہر دل میں ایسا درد دے — قوم کی خدمت کو اُس کا بچہ بچہ چل پڑے

تو اگر چاہے تو دم میں آرزو پوری کرے — ہم جلد آنکھوں سے یارب شیعہ کالج دیکھ لے

شافیِ مطلق ہے تو اور یہ دوائے دردِ دل

دُرِّ یتیم

یہ وہی نظم ہے جس نے شیعہ کانفرنس کے اجلاس ششم منعقدہ الہ آباد میں حشر برپا کر دیا
تھا اور جس پر عالیجناب راجہ سید ابوجعفر صاحب مدظلہ العالی تعلقہ دار پیرپور
(اودھ) نے ساڑھے چار ہزار روپیہ نچھاور کر دیا

مائل حسرت بیانی ہے دلِ حسرت نواز چین سے رہنے نہیں دیتا ہے یہ سوز و گداز
تم سے کہنا ہے مجھے اک بے مزہ ہستی کا راز یہ سمجھ لینا نہ لیکن ہے زباں میں کی دراز
درد دل کی وجہ سے کچھ درد ہے آواز میں
ہاں خلل میں ڈالنے آیا ہوں خوابِ ناز میں

یوں تو برسوں ہو گئے اس طرح سے جیتے ہوئے سال بھر گزرا ہے لیکن خونِ دل پیتے ہوئے
ناولوں پر تو بہت کچھ آپ ہیں گیتے ہوئے یہ بھی سن لیں غور سے قصے جو ہیں بیتے ہوئے
شاعری ناز کخیالی خوش بیانی یہ نہیں
غم زدوں کا قصۂ غم ہے کہانی یہ نہیں

سچ کہو تم کو بھی ہے کچھ اس حقیقت پر نظر کس کی فریادوں میں ہے صورِ قیامت کا اثر
کس کی آہوں سے لرزتا ہے فرشتوں کا جگر کس کی آنکھوں میں ہے آنسو صبحِ محشر کی خبر

رنج اور غم ہم نوالے ہم پیالے کس کے ہیں
عرش خالق جو ہلا دیتے ہیں نالے کس کے ہیں

کس کا دل ہے وہ کہ جس میں اُٹھتی ہی رہتی ہے ہُوک   رحم کے قابل ہے کس کے ساتھ قسمت کا سلوک
آسماں کرتا نہیں کس کے مٹا دینے میں چوک   کس مپرسی میں بسر کرتی ہے کس کی پیاس بھوک

داغ غم قلب و جگر میں دو ہرے تہرے کس کے ہیں
جو سدا اُترے ہوئے رہتے ہیں چہرے کس کے ہیں

کون ہے لوٹی نہیں جس نے لڑکپن کی بہار   کون ہے دیکھی نہیں جس نے کبھی ماں کی کنار
کون ہے جس نے بزرگوں کا نہ جانا لاڈ پیار   کس کو گھر پیدا نہیں ہے زیر چرخ کج مدار

رات کو سونے کو فرش بوریا ملتا نہیں
لاڈلے بچوں میں کس کو کھیلنا ملتا نہیں

اپنے ہی دل کو چھری ہے کس کے ماتھے کی شکن   شام غربت سے بھی بدتر کس کی ہے صبح وطن
عید کے کپڑے ہیں کس کے جیسے مفلس کا کفن   کس کی خاطر ہیں جہاں میں سیکڑوں خاطر شکن

اس بھری دُنیا میں کس پر مہرباں کوئی نہیں
اُن کو کیا کہتے ہیں جن کے باپ ماں کوئی نہیں

غور سے کرتا ذرا دار الیتامیٰ پر نظر   کس قدر غم سے ہیں وابستہ یہ اسیر نوحہ گر

یہ خدا جانے کہ پھرتے ہوں گے کتنے دربدر　　تم سا خوش قسمت تو ہوگا کوئی قصہ مختصر

مل گئی جنت جو اِن کی سرپرستی مل گئی

ہو نصیبے کے ولی کیا جنس سستی مل گئی

مائل لطف و کرم تیور جو پائے آپ کے　　اپنی امیدیں لیے دامن میں آئے آپ کے

کون ہے مظلوم بچوں کا سوائے آپ کے　　پالنے کو غیر آئیں گے بجائے آپ کے

ان کو ہاتھوں سے نہ کھونا یہ گہر انمول ہیں

مختصر یہ ہے کہ فردوس بریں کا مول ہیں

صورت تصویر ہیں بچوں کی صورت دیکھیے　　سر سے پا تک ہیں مجسم شکل حسرت دیکھیے

مُنہ سے کچھ بھی نہیں سکتے ہیں غربت دیکھیے　　دیکھ کر ان کو پھر اپنے دل کی حالت دیکھیے

ڈھونڈتے ہیں ماں کا زانو دستِ شفقت باپ کا

اِن کی آنکھیں غور سے مُنہ دیکھتی ہیں آپ کا

پوچھتے ماں باپ سے ان کے تم ان کی حسرتیں　　زندگی میں اُن کی ہوتیں ان کی کیا کیا چاہتیں

ان کی راحت پہ تصدق کرتے اپنی راحتیں　　سینکڑوں ان پر ہیں ان کی مائی چاہتیں

مرنے والوں پر یہی سب ناز کرتے سینکڑوں

ان کے سر سے روز و شب صدقے اُترتے سینکڑوں

کون اب ان کے بناؤ کا کرے ارمان شوق　　کس کو اتنی چاہ ہوگی کس کو ہوگا اتنا ذوق
لاڈلے بچوں پہ یہ کمبخت کیا لیجائیں فوق　　ہیکلیں ہیں ان کے سینہ پر نہ گردن میں ہیں طوق
ہو گئیں ان کے لئے قصہ کہانی منتیں
ان کے جینے کی کسی نے بھی نہ مانی منتیں

ہو گئی ہے قحط سے تعداد بچوں کی دو چند　　سال بھر سے قوم کا دست سخاوت بھی ہے بند
بام مقصد سے بہت نیچی ہے ہمت کی کمند　　شرم آتی ہے کہ رہنے میں یہ بیکس دردمند
آپ کے گھر ان کو ہے آرام یا تکلیف ہے
نام ہی سب آپ ہی کا آپ کی تعریف ہے

بیکسی پر ان کی رو دیتی ہیں آنکھیں مثل ابر　　ان کے رہنے کے مکاں سے ہے خجل تنگیٔ قبر
ہیں جاڑے میں کبھی کچھ اور نہ گرمی میں ہے صبر　　آپ ہی فرمائیے کب تک اٹھائیں دل پہ جبر
کیا غضب ہے بن نہیں چکتا کہاں بننے کو ہے
مدتوں سے سنتے آتے ہیں مکاں بننے کو ہے

موسم گرما نہیں اب آ گئے جاڑوں کے دن　　مخمل و کمخواب میں اہل دول ہیں مطمئن
آپ ہی بتلائیں ان کے سردی کھانے کے ہیں سن　　پوچھتا ہوں سارے رشتیوں سے جوان ہیں یا مسن
دیکھ سکتی ہے کون آنکھوں سے مصیبت آپ کی

جاڑے سے بچوں کے دل کانپیں لحد ماں باپ کی

ہے انہیں آفت زدوں کے حال پر توقف کیا　　سچ تو یہ ہے قوم کی بگڑی ہوئی ہے کچھ ہوا
منہ سے سب کچھ کہدیا پورا نہ کچھ بھی ہو سکا　　ہے نشاں سکول کا اب تک کالج کا پتا

کس لئے اغیار کو ہنسنے کا موقع دیجئے
بات جب منہ سے نکالی ہے تو پوری کیجئے

مدتوں غفلت رہی اب ہوش میں بھی آئیے　　جھوٹ کہتا ہوں اگر سو مرتبہ جھٹلائیے
کام کیا ابتک کئے ہیں قوم نے گنوائیے　　پچھلے سالوں جو رہی وہ بات ہی فرمائیے

کیا تماشا ہے نیا ہر روز غم ہوتا رہے
جس قدر دن بڑھتے جائیں جوش کم ہوتا رہے

جو ارادہ ہے وہ اس اجلاس تک محدود ہے　　آپ یا جبتک ہیں ڈیل میں جوش بھی موجود ہے
جب نتیجہ کچھ نہیں بیکار ہے بے سود ہے　　عود جب خوشبو نہ دی ہیزم ہے وہ یا عود ہے

جان شیریں تک مٹا دیں یہ تہیہ کر گئے
یاد پھر کچھ بھی نہیں رہتا جب اپنے گھر گئے

ایک مرکز پر کوئی جمتا نہیں یہ حال ہے　　کچھ نیا انداز ہے اور کچھ پرانی چال ہے
قوم کے کاموں میں بھی مطلب کی قیل و قال ہے　　[illegible]

قوم کے برباد کرنے کا ذریعہ رہ گئے
بات کہنے کی نہیں کہنے کے شیعہ رہ گئے

ہیں کچھ اپنی قوم میں ایسے امیران اجل   ساری دُنیا سے نرالا جن کا ہی طرز عمل
کام میں اغیار کے دیتے ہیں چندہ بے محل   قوم مُنہ تکتی ہی وہ اوروں سے ہیں دست و بغل
چھوڑ کر اپنوں کو غیروں کے معالج بن گئے
اس قدر چندے دئے اسکول کالج بن گئے

چھوڑتی ہی اُن کا پیچھا کب خطابوں کی ہوس   جتنی دولت ہے اسی میں صرف ہو جاتی ہی بس
آنریبل ہوں کہیں یہ آرزو ہی ہر نفس   جان بھی جائے تو اس میں کچھ نہو گا پیش و پس
اس سے مطلب ہی نہیں ہے قوم کا کچھ کام ہو
اپنی عزت ہو جہاں میں نام ہو آرام ہو

آپ کی بے اعتنائی کی جو یہ حالت رہی   آخرش عہدے سے مستعفی ہوئے سیکرٹری
بن رہی تھی جو مسلمانوں کی یونیورسٹی   اُس میں جو چندہ دیا آتا وہ اپنے کام ہی
مُفت یہ نقصان اُٹھایا کچھ نتیجہ بھی ہوا
کب کی ٹھنڈی ہو چکی وہ مر کے تیجا بھی ہوا

کہتے کہتے قصۂ غم ہو گیا مطلب سے دور   اِن امیرانِ تمم کا حال کہنا تھا ضرور

جی میں جو آئے وہ کیجیے پر یہ سُن رکھیے حضور	صاف کہتا ہوں خطا اس کو سمجھیے یا قصور

دل جلوں کا نالۂ غم رائگاں ہوتا نہیں
یا زمیں ہوتی نہیں یا آسماں ہوتا نہیں

ان کی وقعت کیجیے ان سے محبت کیجیے	ان میں سیدہیں بہت سے انکی عزت کیجیے
اپنے بچوں سے زیادہ ان سے الفت کیجیے	سرخرو بیش نبی جانیکی صورت کیجیے

یہ سمجھ لیجے کہ ہیں ماں باپ سے چھوٹے ہوئے
ان کی ہمت باندھیے دل ان کے ہیں ٹوٹے ہوئے

تیری باتیں بھی ہیں نشتر او دلِ خانہ خراب	دیکھیے کیا کر کے رہتا ہی یہ تیرا اضطراب
کیا خبر تیری صدا ہوگی نہ ہو گی کامیاب	اُن کے کانوں تک تو پہنچی پر نہ پایا کچھ جواب

کیا قیامت ہے کہ کوئی منچلا بڑھتا نہیں
دست سائل بڑھ چکا دستِ سخا بڑھتا نہیں

نجم بس خاموش اب خالق سے یہ کر لو دعا	قوم کے ہاتھوں میں زر اور دل میں ہمت دے خدا
عرش کے پایہ کو چومے آج آہِ نارسا	ہو کسی صورت دلِ محزوں کا پورا مدعا

شمع مقصد کے ہوں پروانے جواں بھی پیر بھی
آ کے لگ جائے گلے تدبیر کے تقدیر بھی

نقد دل

یہ وہ نظم ہے جو سارے مُلک سے خراجِ تحسین وصول کرچکی ہے جو شیعہ کالج فاونڈیشن کمیٹی لکھنو میں پڑھی گئی تھی اور راجہ ابوالحسن صاحب بہادر والی لہرہ نے دو سو روپیہ میں خرید فرمائی تھی۔

اے چمن زارِ جہاں اے لکھنو کی سرزمیں رشکِ جنت کیوں نہ کردے تجھ کو جنت آفریں
یہ ترا پرشوق دامن اور یہ بزمِ حسیں زیبِ کرسیِ صدارت صاحبِ تاج و نگیں
جو کبھی دیکھے نہوں اب وہ نظارے دیکھ لے
چرخ سے کہدے ہمارے چاند تارے دیکھ لے

ہم سے دیوانوں سے بھی واقف ہے او محفل طراز کچھ ہمارے نالۂ رنگیں سے بھی ہے ساز باز
یاد ہیں کچھ اگلی باتیں بھی تجھے او محوِ ناز تجھ کو بھولا تو نہ ہوگا وہ ہمارا سوز و ساز
وقف کردی تھی رگِ جاں ہم نے خنجر کے لئے
دل کے ٹکڑے لے کے آئے تھے پچھاور کیلئے

لیکے پہنچا پھر الٰہ آباد میں جوشِ جنوں ہم نے سینہ چیر کر دکھلا دیا سوزِ دروں
شوخ نالوں نے نہ چھوڑا بزم میں صبر و سکوں ہوگئی پر بیقراری اور اُس دن سے فزوں

یہ خلش پیدا ہوئی آخر دلِ بے حال میں
اب تمنا نظم پڑھنے کی ہے کالج ہال میں

وہ ہمارا شیعہ کالج وہ ہمارا مدعا　　وہ ہماری قوم کی آنکھوں کا تارا مدعا
وہ ہماری زندگانی کا سہارا مدعا　　چٹکیاں لیکر یہ کرتا ہے اشارا مدعا

اُن کو کیا مشکل ہے کالج بندہ پرور کھولنا
جن کے مولا کو ہوا آسان بابِ خیبر کھولنا

ہو نہ جب تک کامیابی ہم نہ بیٹھیں گے نچنت　　اس پہ جھگڑا ہو زمیں سے یا فلک سے ہو لڑنت
منہ پہ آجاتی ہے جب ہم بات کہہ دیتے ہیں تنت　　دردِ دل اپنا نہیں ہے ساحروں کی سی پڑھنت

نالے اس پر تُل گئے ہیں حشر اُٹھا کر جائیں گے
دل یہ مچلا ہے کہ ہم کالج بنا کر جائیں گے

پیروِ حیدر ہیں ہم رکھتے ہیں اخلاقِ حسن　　مرتے مرتے بھی دکھا دینگے بزرگوں کا چلن
لاکھ مٹ جائیں نہ جائیگا مگر وہ بانکپن　　مفلسی میں ہیں غنی اتنے بہ فضلِ پنجتن

اب بھی کر جائیں اگر ہمت تو اگلے سال تک
پانچ کالج کھول دیں پنجاب سے بنگال تک

ایک ہو جائیں جو دو دل توڑ دیتے ہیں پہاڑ　　یاں ہزاروں باغباں ہیں پھر بھی گلشن ہے اُجاڑ

پست ہمت ہیں سمجھتے ہیں جو قسمت کا بگاڑ　　دیکھئے کہتا ہے کیا دل سے تو کیجے چھیڑ چھاڑ

آپ کا معیار ہے باتیں بہت سی کام کم
اصل یہ ہے جمع ہیں وعدے زیادہ دام کم

آج بھی گر رہ گئی ایثار قومی میں کمی　　خون رلوائیگی ساری عمر غیروں کی ہنسی
بات جو کانٹے کی تھی وہ آپ سے کہدی گئی　　آپنے اب بھی اگر کردی سُنی کی ان سُنی

پھر کبھی اس طرح سے محفل جمائی جائے گی
یہ تو کہئیے آنکھ دُنیا سے ملائی جائے گی

واہ کیا کہنا ہے جو پیرو ہیں باب علم کے　　آج وہ دُنیا میں ترسیں ایک کالج کے لئے
ہم نے مانا صاحب علم آپ کے اسلاف تھے　　آپ بھی کچھ چیز ہیں اپنی طرف تو دیکھئے

اُنکے دل بڑھتے تھے ہاتھوں پاؤں قدم بڑھتے نہیں
وہ پڑھاتے تھے جہاں کو آپ خود پڑھتے نہیں

اُن کی بھی ہستی ہے کچھ اک مدرسہ جن کا نہو　　کیوں ہنسے اُن پر دُنیا اُنکا کیوں ٹھٹا نہو
ہو بزرگوں کی کہانی لب پہ ذکر اپنا نہو　　باپ سے نسبت ہے کیا بیٹا اگر ویسا نہو

دن گئے وہ پوچھتے تھے جب کہ تھے اسلاف کیا
اب زمانہ دیکھتا ہے کہ ہیں اخلاف کیا

مجھ کو کچھ سودا ہوا ہے اور دل حسرت پسند　　ضبط کی طاقت نہیں اب بند کر یہ وعظ و پند
درد مند دل کو نہیں کرتے زیادہ درد مند　　چشم باطن سے دکھا دی وہ عمارت سر بلند
دور یہ پژمردگی ہو دل میں جوش آنے لگے
چشم ظاہر بند ہو جائے تو ہوش آنے لگے

وہ کھلا کالج ہوا افضل خدائے لایزال　　کہہ کے بسم اللہ پڑھنے کو چلے شیعوں کے لال
شوق بھی بڑھتا گیا جوں جوں بڑھے وہ خرد سال　　کوششوں میں کامیابی کی گزاری ماہ و سال
فارغ التحصیل ہو کر پار کشتی ہو گئی
یا علی کہہ کر نکل آئے کہ چھٹی ہو گئی

ہو گا یہ کالج ہمارا مخزن علم و ہنر　　مذہبی تعلیم ہو گی فرض طالب علم پر
ہم بنائیں گے اسے تہذیب اسلامی کا گھر　　ہر جبیں پر شوکت اسلام ہو گی جلوہ گر
ساتھ دنیا کے رہیگا دین حق کا پاس بھی
مولوی فاضل بھی ہوں گے اس میں ایم اے پاس بھی

شیعہ کالج دیکھ اور آمادۂ بزم جہاں　　تیری خاطر جمع ہیں کیا کیا گل نورس یہاں
آج ہی جذب محبت کا بڑا سخت امتحاں　　تجھ کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں چھپ رہا ہے تو کہاں
رونمائی تیری دیکھو شکل زیبا دیکھ لے

آ تصور بن کے دل میں قوم نقشا دیکھ لے

تو نہ محتاج سفارش ہے نہ محتاج وکیل — پیاری پیاری تیری صورت آپ کریگی اپیل
سب ترے پیرو ہیں سخی کے یاں نہیں کوئی بخیل — تو تو پھر اپنا ہی ہے غیروں کے ہوتے ہیں کفیل
بن پڑی ہے آج جو کچھ ہے گرہ میں کھول لے
یہ سمندر ہیں سمندر ان سے موتی رول لے

چاہیے مردم شناسی بھی گدائے خوش صفات — آدمی لاکھوں کے جو ہیں اُن سے کر لاکھوں کی بات
اُن کے آگے ہیں ہزاروں سینکڑوں کیا کائنات — ہم غریبان ازل سے جو بھی کچھ آجائے ہات
کچھ طبیب قوم آئے ہیں دوائیں اُن سے لے
کچھ خدا کے خاص بندے ہیں دعائیں اُن سے لے

دیکھنا یہ ہے کہ ہے کس کو جدائی تیری شاق — کون ہے سب سے سوا ہے جس کو تیرا اشتیاق
کس کے سینہ کو جلاتا ہے ترا سوز فراق — کون میدان وفا میں آج نکلا چست و چاق
آج یہ کھل جائیگا ہے تجھ پہ شیدا کون کون
سب ہی کہنے کو ہیں تیرے پہ ہے تیرا کون کون

بزم میں تیرے بھی ہیں شیدائے ملت سردار بھی — تیری قسمت سے ہیں رب انجمن سرکار بھی
قدردان حق سے اہل دل بھی ہیں غمخوار بھی — نقد دل لائے ہیں ہم مفلس و نادار بھی

آئے ہیں امداد دینے جان سے اور مال سے
سندھ سے پنجاب سے مدراس سے بنگال سے

ہے یہ آغاز زمانہ سے زمانہ کا چلن   جان دیتے ہیں وطن پر اپنے اپنے مرد و زن
تیرے قدموں کی قسم یہ ہے فقط دیوانہ پن   جو وطن کی لاج رکھ لے ہو اُسے حب وطن

بات اک نکتہ کی کہدی ختم قصا ہوگیا
عقلمندوں کیلئے کافی اشارا ہوگیا

نجم اب دل میں نہیں ہے ضبط کی طاقت ذرا   تو نے وہ نالے کئے منہ کو کلیجہ آگیا
قوم سے کہدے کہ یہ باتیں زبانی تا کجا   گونج جائیں نعرۂ صلوات سے ارض و سما

نام باب علم لیکر کھولدے کالج کا باب
یاعلی یا ایلیا یا باالحسن یا بوتراب

ہماری عید

عید کو کیا کہئے ہرجائی ہی عید   اک برس سے سب کے گھر آئی ہی عید
تو بہت جوبن پہ اترائی ہی عید   سال بھر میں شکل دکھلائی ہی عید

دوستی کیا تیری او بے دید الگ
یاں ہر اک کی عید ہے اِی عید الگ

زاہدوں کی عید ہے یادِ خدا   عالموں کی عید شہرہ علم کا
اہل دل کی عید ہے جود و سخا   عید جانبازوں کی خنجر اور گلا

بے وطن کی کیا کہوں کیا عید ہے
جب وطن میں پھر کے آیا عید ہے

رند کو پینے کی پلوانے کی عید   واعظوں کو وعظ فرمانے کی عید
سوئے کعبہ شیخ کو جانے کی عید   نجد میں لیلےٰ کے دیوانے کی عید

عید گہ اک کوچۂ دلدار ہے
عاشقوں کی عید وصل یار ہے

عید بچّوں کی ہے اچھّا پیرہن   بلبلوں کی عید ہے رنگیں چمن

شاعروں کی عید تعریفِ سخن ہے نئے دولہا کی عید اُس کی دلہن
رشک کے قابل ہے پروانے کی عید
شمع پر ہے جل کے مرجانے کی عید
مسکوں کی عید گنج و مال ہیں صوفیوں کی بزم حال وقال ہیں
عید امیروں کی دوشالے شال ہیں بے نوا کی عید اُس کی کھال ہیں
اپنی اپنی سب کو پیاری عید ہے
ہم بھی کہہ دیں جو ہماری عید ہے
ہم ہیں محو آہ و زاری عید کیا دین کی ہوتی ہے خواری عید کیا
ہم سے کرتی دوستداری عید کیا وقفِ حسرت ہے ہماری عید کیا
غم نہ شادی کوئی مونس ہی نہیں
اب دل ناشاد میں حس ہی نہیں
ہے بہت اسلام اب زار و نزار شاق ہے اے مہدی دیں انتظار
یہ ہماری عید ہے اے شہریار کہہ رہا ہے دل یہی دیوانہ وار
عیدگاہِ ما غریباں کوئے تو
انبساطِ عید دیدن روئے تو

ترانہ عید

جن و بشر ہیں شاد ماں کون و مکاں میں عید ہے
عید غدیر کے نثار سارے جہاں میں عید ہے

بلبلیں سب ہیں نغمہ خواں حوروں کی عیش جاوداں
باغ جہاں میں عید ہے قصر جناں میں عید ہے

صدقے نہ کیوں ہوں دل و جگر عید ہے پنجتن کے گھر
شاد ہیں امتی تمام پیر و جواں میں عید ہے

عید دل رسول میں عید دل بتول میں
جن کا مکاں ہے لامکاں ان کے مکاں میں عید ہے

عید ہے دشت و در میں آج عید ہے بحر و بر میں آج
رقص میں ہیں حباب نہر آب رواں میں عید ہے

کیوں نہ ہوں خوش جوان پیر تو ہو جو یا علی امیر
مست ہیں سب تری قصیر بزم شہاں میں عید ہے

قید مرض سے ہوں تباہ مجھ پہ ہو یا علی نگاہ
وعدہ مدد کا کیجیے آپ کی ہاں میں عید ہے

شکر خدا میں دم بدم سجدہ میں ہے مرا قلم
میری زباں کو نجم آج کام و دہاں میں عید ہے

اُنتیس کا چاند

جو اس انداز سے نکلے کہ لاکھوں اُنگلیاں اُٹھیں　　ہلالِ عید آخر کیوں کسی معشوق سے کم ہو
کرے اغماض پھر کیونکر نہ وہ صورت دکھائیں　　جو صرف شوقِ دُنیا ہو جو محوِ دیدِ عالم ہو

اُلٹ جاتے ہیں دل کتنے زمانہ جب پلٹتا ہے

قضا کا کیا ٹھکانا زندگی کا کیا بھروسا ہے　　خیالوں میں ابھی محدودیاں کالج کا نقشا ہے
جدھر بھی دیکھتا ہوں یاس کی صورت ہویدا ہے　　جسے بھی دیکھتا ہوں نقش اک مٹتا ہوا سا ہے

وہ اک نقشہ ہے عبرت کی دلِ بے جو تمنا ہے

ہوئی جاتی ہے کشتی دور آکر پاس ساحل کے　　وہ جوش ابتدائی ہو گیا رخصت گلے مل کے
کچھ ایسی چپ لگی ہے ہونٹ گویا رہ گئے سِل کے　　سحر ہوتے ہی کیا ہو گئے آثار محفل کے

نظر کرتا ہوں جس چہرے پہ کچھ اُترا ہوا سا ہے

یہ ذلت قوم کی یہ خواریاں دیکھی نہیں جاتیں　　ہنسی غیروں کی اور ناچاریاں دیکھی نہیں جاتیں
نہ ہوں جو جی دل سے وہ تیاریاں دیکھی نہیں جاتیں　　یہیں رو دیتا ہوں یہ غمخواریاں دیکھی نہیں جاتیں

کلیجہ بیٹھ جاتا ہے جو دل پہ درد اُٹھتا ہے

یہ کیسا رنگ بدلا ہی اسی حیرت میں بیٹھا ہوں　　کہاں وہ شور اشوری اور کہاں یہ بے نمک مضموں
بہایا جائیگا کب تک ہماری حسرتوں کا خوں　　تجھے اس کا بھی کچھ احساس ہے ای گردشِ گردوں

اُلٹ جاتے ہیں دل کتنے زمانہ جب پلٹتا ہے

نہیں ممکن جو اس دشوار رستے سے گزر جانا　　نہیں آتا اگر ہاتھوں پہ رکھ کر اپنا سر جانا
بنا پائے نہ اک کالج اسی پر نام کر جانا　　کسی امید پر جینا کسی حسرت میں مر جانا

یہی جینے میں جینا ہی یہی مرنے میں مرنا ہی

ہمیں اس جوشِ وقتی نے کیا دل کھو لکر رسوا　　جو کر سکتے نہ تھے اُسکو زباں سے کیوں نکالا تھا
کسی کے پاس کیا بیٹھیں کسی کو مُنہ دکھائیں کیا　　مقدر نے ہمیں کو لائقِ محفل نہیں رکھا

وہی اگلی سی محفل ہے وہی پہلی سی دُنیا ہے

یہ کشافِ حقیقت ہیں سبق آموزِ عبرت ہیں　　ہر اک مصرع میں پوشیدہ ہزاروں رازِ حکمت ہیں
زمانہ محوِ حیرت ہے یہ باتیں ہیں قیامت ہیں　　تمہارے شعر کیا ہیں نجم پیغامِ محبت ہیں

غزل کیا ہے تمہاری حسرتوں کی ایک دُنیا ہے

ارمغان اتحاد

کیوں نہ دل میں گھر کرے لطف بیان اتحاد — پیاری پیاری میٹھی میٹھی ہے زبان اتحاد

قوم کا نام و نشان نام و نشان اتحاد — قوم کا سود و زیاں سود و زیان اتحاد

اس کا مسلک صلح کل ہے اس کا مقصد اتفاق — کون دنیا میں نہیں ہے قدردان اتحاد

دعوتیں اہل نظر کی ہیں یہ گھر بیٹھے ہوئے — سب کے گھر جاتا ہے امروہہ سے خوان اتحاد

کس دھڑلّے سے یہ کرتا ہے وکالت قوم کی — بےزبانی پر بھی اتنی ہے زبان اتحاد

ہے یہ انداز تغافل اس کی خدمت کا صلہ — ہاتھ تو رکھیں دلوں پر قدردان اتحاد

ہو فروغ حسن یارب غیرت شمس و قمر — ہوں ستاروں سے زیادہ عاشقان اتحاد

سچ تو ہے بیکار ہے گر تیغ میں جوہر نہ ہو — جوہری کہتے ہیں سب جوہر ہیں جان اتحاد

اس سے بہتر تجھم دنیا میں کوئی تحفہ نہیں
دوست بھیجیں دوستوں کو ارمغان اتحاد

ترانۂ اتحاد

دلِ عالم تو تھا ہی معترف حُسنِ معانی کا — بہت بھائیں نگاہوں کو یہ خوش پوشاکیاں تیری
مبارک ہو نیا جوڑا بدلنا اے حسیں تجھ کو — ادائیں ہو گئی ہیں اور بھی اب دل ستاں تیری
یہ ذوقِ مستقل تیرا یہ شوقِ مستند تیرا — یہ وضعِ خوشنما تیری یہ خوش ترکیبیاں تیری
جگا دے بختِ خفتہ کو جلا دے قومِ مردہ کو — مسیحائی دکھا دیں آج میٹھی بولیاں تیری
تری دلسوزیاں وقفِ تغافل ہو نہیں سکتیں — دلوں پہ قوم کے لکھی ہوئی ہے داستاں تیری
ہمارے دل میں تو نے روح پھونکی ہے اخوت کی — ہماری ناخدا ہے کشتیِ عمرِ رواں تیری
ہر اک کے گوشِ دل میں ہند کے ایک ایک گوشہ میں — سنائیں نغمہ کالج کی خوش آوازیاں تیری
نہ ہو کیوں نیک نام ایسا کہ ہے نام اتحاد آخر — ازل سے ہو رہی ہیں مانی ہوئیں یہ خوبیاں تیری
ثمر دیکھے گا تو محنت کا اپنی اپنی آنکھوں سے — کسی دن ہوں گی کالج ہال میں مہمانیاں تیری
بہت کم رہ گئے ہیں دن بنائے مقصدِ دل کے — ادائے زر میں ہے کیوں سست قوم اے مہرباں تیری
اُٹھا دی یا علی کہہ کر اُنہیں بیٹھے ہوئے دل جن کے — فلک کے پار جاتے ہم نے دیکھی ہے فغاں تیری

نہ گھبرائے گی سختی کے دن اب قوم سے کہہ دے — کبھی آرامِ جاں ہوں گی یہی جانکاہیاں تیری

اُدھر رکھے ہز آنر کا کرم بُنیاد کا پتھر — لٹا دیں جان اِدھر تکمیل میں یاں مردیاں تیری
حصولِ علم داخل ہو فرائض میں اُمرا میں — رہیں واقف نواہی سے تغافل کیشیاں تیری
کریں گے جب علاموں کی مدد بابِ علوم آ کر — یہ تیری مشکلیں ہو جائینگی آسانیاں تیری

بھلا پھر بھی کسی کی دسترس ہے کیسو کا مُنہ کھلنا — جو ہمت قوم کی ہو تجم کے شعر اور زبانی تری
نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

زنّار و تسبیح

چلے مل جل کے دونوں سال نو کی پیشوائی کو — فدائی کانگرس کے لیگ کی محفل کے مستانے
خدا رکھے یہ اندازِ محبت کس نے دیکھے تھے — انہیں سکھلا دیا کس نے گلے ملنا خُدا جانے
خُدا میں تو ہے سب قدرت مگر یہ تجم حق یہ ہے — کہاں زنّار کا ڈورا کہاں تسبیح کے دانے

تہیدستانِ قسمت

نہ بڑھ حد سے زیادہ گرمیٔ جوشِ فساد لے
کمر تک جا کے ہو گی دستِ ہمت کو پشیمانی

کہاں وہ دن کہ تھا اک ایک مستِ بادۂ جرأت
موافق اب کہ برسوں سے نہیں تلوار کا پانی

کمانیں ہیں کشیدہ بھاگتے ہیں تیر اب کوسوں
مثالِ مجرماں روپوش ہے گرزِ نریمانی

نگاہیں ہو گئیں نا آشنا شمشیرِ براں سے
نظر آتی نہیں اب خواب میں خنجر کی عریانی

نہ تھا خود اُن کے ہی کانوں کو خوش آئند یہ نغمہ
ہوئی مدت رجز خوانی سے بدلی مرثیہ خوانی

کبھی جو دستگیرِ خلق تھے وہ ہاتھ خالی ہیں
مقدر نے بنا رکھا ہے اک تصویرِ حیرانی

عصا کیسا عصا آہ بھی معدوم ہے اب تو
اُٹھے کس کے سہارے سے الٰہی دردِ پنہانی

کسی کا جوشِ جرأت ضبط بن کر اب گلا گھونٹے
اُتارے اپنا غصہ اپنے اوپر چینِ پیشانی

تہیدستانِ قسمت وائے حسرت نذر کیا لائیں
کمر سے تیغ ہی جن کے بندھی ہے اور نہ ہمیانی

ترقی کا راز

ایسے نازک وقت میں اللہ یہ کس کی ہے بزم
سوز کے بدلے جہاں اب تک صدائے ساز ہے

خواب غفلت سے کسی کی آنکھ کھلتی ہی نہیں
چشم ہر دم بھی کسی کا فرد کا راز ہے

لینے والے چکے دنیا کی حالت سے سبق
گلشن عالم میں جو ہے مائل پرواز ہے

اس چمن میں ہے مگر چھایا ہوا رنگ قدیم
کچھ نیا انداز ہے بھی تو برا انداز ہے

سب کو یاں گھیرے ہوئے ہے خود پسندی کی بلا
اپنی اپنی راگنی ہے اپنا اپنا ساز ہے

اپنا اپنا ذکر لب پر اپنی اپنی دل میں فکر
حشر تو آیا نہیں پر حشر کا انداز ہے

کہنے والے کہہ گئے اور اب بھی کہتے ہیں بہت
سننے والے کے لئے باب نصیحت باز ہے

اختلاف آرا کا ترک خود پسندی سے ہوگا
ساری قوموں کی ترقی کا یہی اک راز ہے

دوسرے کی اپنی دھن کے آگے پر سنتا ہے کون
اک متاع کس مپرسی عجز کی آواز ہے

ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

ایک دن ایک دوست سے میں نے کہا . کیا گزرتی ہے تمہیں بتلائیں کیا
غم کے تیروں سے کلیجہ چھن گیا دل میں کتنے داغ ہیں دکھلائیں کیا
زخم کہنہ پہ ہے روز اک زخم نو چارہ سازی چارہ گر فرمائیں کیا
ہے یہ پرآشوب دُنیا آج کل آفتیں ہیں سینکڑوں گنوائیں کیا
اک بلائے قحط ہے اک دیو جنگ ان سے بازی آدمی لے جائیں کیا
نالہ ہائے بیکساں کب تک سُنیں دل کسی سے مانگ کر لے آئیں کیا
کوئی کہتا ہے پہننے کو نہیں کوئی کہتا ہے کہ یارو کھائیں کیا
آجکل وقف فغاں ہیں کام و لب اب سوا اس بھیرویں کے گائیں کیا
ہوگا اس شورش کا آخر کیا مآل دل کو کچھ سمجھائیے سمجھائیں کیا
کیا جواب خشک دے کر چلدیئے آپ فہمیدہ ہیں خود سمجھائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اسلامی فرقے

ہیں ہی کچھ جو رکھیں دل کے عقائد ہیں
کام دنیا کا تو کرتے رہیں ملکر فرقے

یا کہ لڑ بھڑ کے نشاں اپنا مٹا دیں بالکل
یہ بھی کچھ فرض ہی چھوڑا ہی کریں مر فرقے

اک زمانہ نے لیا رنگ سے دُنیا کے سبق
پر نہ سمجھے تو نہ سمجھے یہ بہتّر فرقے

روئیے نجم بھلا بیٹھ کے کس کے آگے
لاکھ چیخا کرو سُنتے ہی نہیں پر فرقے

حیف اس پر بھی نہ چین آئے مسلمانوں کو
ایک اسلام کے ہو جائیں تہتّر فرقے

نالۂ نجم

ہم بھی تھے کبھی قابل تعظیم جہاں میں
کُرسی تھی کبھی عرش کی رفعت کے برابر

رکھتے تھے مسلمان سب آپس میں محبّت
تھے دور میں ساغر مے عُشرت کے برابر

ہم تھے وہ بشر جن تھیں سب خوبیاں ہم میں
کھٹکی نہ برائی کبھی نیّت کے برابر

تا تھا نہ ڈھونڈھے سے نشاں خود غرضی کا
صیغے پڑھے جاتے تھے اخوت کے برابر

مفلس تو تونگر کو نہ دی جاتی تھی ترجیح
اُس وقت غریبی تھی امارت کے برابر

ناقوس ہو یا سنکھ ہو آوازہ کسی کا پہنچا نہ اذان اور اقامت کے برابر
تھا بُعد نہ کچھ مشرق و مغرب کا نظر میں ہم سال کو سمجھا کئے ساعت کے برابر
افریقہ میں امریکہ میں یورپ میں جہاں میں ہم ڈنکے بجا آئے شریعت کے برابر
پہنچا دیئے ہر ملک میں تکبیر کے نعرے رکھے تھے جو سینوں میں امانت کے برابر
پڑھ آئے سمندر کے بھی اُس پار نمازیں اُڑ اُڑ کے گئے پھولوں کی نکہت کے برابر
ٹکرا دیں پہاڑوں سے نمازوں کی صدائیں تھا شورِ اذاں شورِ قیامت کے برابر
اک اک بُتِ بے پیر سے پڑھوا دیا کلمہ ہر بات تھی اعجاز و کرامت کے برابر
بیٹھے جو کہیں جا کے بٹھا دیتے تھے سکّے اُٹھتے تھے تو ہوتے تھے قیامت کے برابر
دریا کی طرح فیض تھا غیروں پہ بھی جاری تھی وسعتِ دل خلق کی وسعت کے برابر
آتا تھا جہاں علم و ہنر سیکھنے ہم سے یاں درس دیئے جاتے تھے حکمت کے برابر
مہمان نوازی میں تھا یکتائے زمانہ دریا بھی نہ تھا اپنی طبیعت کے برابر
تعلیم کی تحصیل کے عاشق تھے ہم ایسے تکلیف کو سمجھا کئے راحت کے برابر
دلبستگی ایسی تھی ہمیں علم و ہنر سے چاہا کئے محبوب کی چاہت کے برابر
ہم ہیں وہ زمانہ کو ادب ہم نے سکھایا احسان ہیں دنیا پہ افادت کے برابر
ایجادیں ہوئی ہیں انہیں ہاتھوں سے ہزاروں جرمن کی اور امریکہ کی صنعت کے برابر

حل ہم نے کئے سینکڑوں پیچیدہ مسائل — ہر طبع نہ تھی اپنی طبیعت کے برابر

اس عہد میں ہیں خواب فراموش یہ باتیں
وقعت ہے فقط حرف و حکایت کے برابر

احسان کے سوا بوجھ اب اُٹھتا نہیں اُن سے — جو بار اُٹھاتے تھے شہادت کے برابر
اغیار اُڑا لے گئے سب علم کے موتی — ہر ہفت اقالیم کی دولت کے برابر
ایمان کا اخلاص کا اب نام نہیں ہے — دل ہو گئے کالے شبِ فرقت کے برابر
دیکھے ہیں نہیں آنکھوں نے اسرار فلک کے — جاتا نہیں اب مرغِ نظر چھت کے برابر
عنقا ہیں مسلمانوں میں اب نیک خصائل — یہ باغ ہوا وادیٔ وحشت کے برابر
یک سوئی ہو دل کو نہ زبانوں میں اثر ہو — کیا پہنچے دعا بابِ اجابت کے برابر
شرم آتی ہو اب جس کو بھی نہیں علم ادب سے — کیا بیٹھے اربابِ فضیلت کے برابر
اب بھائی کو بھائی کی ترقی سے حسد ہے — غیروں سے تو ہے رشکِ عداوت کے برابر
ہر کام میں اغیار کے محتاج ہوئے ہیں — ہستی ہے فقط مٹی کی مورت کے برابر
اب سیکھتے ہیں اُن سے مگر پھر نہیں آتا — آسان بھی ہے کام مصیبت کے برابر
اللہ ہمیں دیکھ کے ہنستا ہے زمانہ — پی جاتے ہیں ہم اشکِ ندامت کے برابر
محنت سے تنفر ہے ریاضت سے تکدر — نظروں میں کوئی شے نہیں راحت کے برابر

کچھ علم سے مطلب ہے نہ ہی کام ہنر سے — گھر اپنا بنایا ہے جہالت کے برابر
قرآن و احادیث کو چھونا بھی قسم ہے — چن رکھے ہیں سب طاق پہ غفلت کے برابر
اب جرات اخلاق بھی معدوم ہوئی ہے — دنیا تھی کبھی گرد شجاعت کے برابر
میدان ترقی میں ہیں ہر قوم سے پیچھے — ہر اک ہے قدم کو وہ مصیبت کے برابر
ہم بھول گئے آہ وہ اسلام کی تعلیم — تھا جس سے جہاں محفل حیرت کے برابر
میں بانئ اسلام سے فریاد کروں گا — سمجھا کرے سمجھے جو شکایت کے برابر
میں پڑھ کے سناؤں گا یہی نظم جگر سوز — قسمت سے جو پہنچا در دولت کے برابر
جان آئے گی ایک مرتبہ پھر مردہ دلوں میں — پھر برسیں گے ابر آپ کی رحمت کے برابر

خالی کبھی جانے کا نہیں نجم کا نالہ
رکھتا ہے اثر صور قیامت کے برابر

میزبان و مہمان

عید اضحیٰ سچ بتا وہ بھی زمانا یاد ہے — تجھ کو اپنا کچھ برس پہلے کا آنا یاد ہے
گرم نالے اور تھے جب سرد آہیں اور تھیں — جب ہمارے اور ہی دل تھے نگاہیں اور تھیں
آج کل کی طرح کب خونِ جگر پیتے تھے ہم — ذکر اُس وقت کا کرتے ہیں جب جیتے تھے ہم
جب ہماری قوم کا اک اک بشر انسان تھا — جب ہمارے جسم میں دل دل میں جب ایمان تھا
جب ہمارے خوشہ چیں اہلِ روم و چین تھے — ہم میں جب اسلام تھا اسلام کے آئین تھے
خاک کے پتلوں کو مٹی سے تکدر کچھ نہ تھا — جب امیروں کو غریبوں سے تنفر کچھ نہ تھا
راز سے واقف تھے تیرے جانتے تھے جب تجھے — اپنے آپے میں تھے ہم پہچانتے تھے جب تجھے
سب سمجھ رکھا تھا ہم نے تیرا منشا اتفاق — اب پرایا ہو گیا جب تک تھا اپنا اتفاق
یہ نمائش ظاہری جھوٹی یہ زیبائش نہ تھی — سادگی کو حاجت تزئین و آرائش نہ تھی
محوِ خلقت تھے ہم منت کشِ خلقت نہ تھے — محو جب حیرت تھے جب آئینۂ حیرت نہ تھے
لاکھ تکلیفیں تھیں پر تکلیف روحانی نہ تھی — فکر تھی انجام کی فکر تن آسانی نہ تھی
کیا کہیں اپنی کہانی تجھ سے شرمندہ ہیں ہم — مر چکے جو موت سے پہلے ہی وہ زندہ ہیں ہم
ہم کہاں وہ کشتۂ جذبات حسرت پوچھ لے — تجھ کو معلوم ہے ساری حقیقت پوچھ لے
کر سکے جو اب تری عزت کا ساماں کون ہے — نام کے لاکھوں مسلماں ہیں مسلماں کون ہے

عید کے نمازی

جب کبھی خانۂ اللہ میں دیکھا جا کر — سر بہ سجدہ کوئی دو چار ہی انساں نکلے
ہم سمجھتے تھے مسلماں بہت کم ہیں یہاں — عید کے دن تو مسلماں ہی مسلماں نکلے
ادا ہوتا نہیں جب فرض تو سنت سے کیا حاصل — جب یہ صاحب وضع ناحق سر پہ اتنا بار لیتے ہیں
اُترتی ہی نہیں پتلون جن کی ایک لمحہ کو — وہ کیونکر عید کے دن ٹکریں دو مار لیتے ہیں

یتیم کی عید

اُن کو ستم کشانِ زمانہ سے کیا غرض — ہے منعموں کی عید فقط مال و زر کی عید
میں رو دیا تھا دیکھ کے کپڑے پھٹے ہوئے — دیکھی ہے آج میں نے کسی بے پدر کی عید

عروس الکلام

تم تو ہوتے ہی نہ تھے آنکھ سے میری اوجھل
پھر مجھے دردِ جُدائی ہے کیا کیوں بیکل

تم کبھی تھے میرے کاشانۂ دل کی زینت
تم سے آباد جو تھا اب ہے وہ اُجڑا سا محل

قصرِ کسریٰ تمہیں عاشق کا سیہ خانہ تھا
بوریے کو مرے سمجھا کیے فرشِ مخمل

بزمِ جم سے بھی سوا تھی مری محفل کی بہار
تم تھے پہلو میں تو جنگل میں تھا مجھ کو منگل

مجھ کو یاد آتی ہیں رہ رہ کے وہ پیاری باتیں
شوخیاں تھیں جو قیامت تو غضب تھی چھل بل

بے حجابانہ دکھایا کبھی روئے روشن
اور شرما کے کبھی لے لیا مُنہ پر آنچل

میری سوتی ہوئی تقدیر جگانے کے لئے
کبھی خلوت میں چلے آئے پہن کر چھاگل

اللہ اللہ کہ پہلے تھی وہ شورا شوری
اب یہ ہے بے کلی زیست میں جس سے ہر خلل

آج بھولے سے بتاؤ تو کدھر آ نکلے
وہ بہانے گئے کس سمت کدھر لیت و لعل

آج کیا اپنے تغافل سے پشیمان ہوئے
آج کیوں آئی ہو ڈالے ہوئے منہ پر آنچل

کس ادا سے یہ کہا اُس نے چڑھا کر تیوری
ہم کو بھاتی نہیں اک آنکھ یہ باتیں مہمل

جب سُنے تجھ سے تو شکوے شکایت کے کلام
نہ قصیدہ نہ رباعی نہ مخمس نہ غزل

بات سُن غور سے اب چھوڑ دے ان قصوں کو
لازم انسان کو ہے دُنیا میں کرے نیک عمل

عہدِ طفلی سے فنِ شعر کا ہے شوق تجھے　　اور سمجھتا ہے کہ میں ہوں شعرا میں اکمل
تیری غفلت کی قسم کھائیے سچ ہے یہ اگر　　ہے کہاں ہوش بھی ہے کچھ تجھے گمنامِ ازل
عرش سے فرش تلک اس جشنِ مبارک کی ہے دھوم　　آج کعبہ میں ہے میلادِ امامِ اوّل
سن کے یہ مدحتِ مولیٰ کی ہوا چلنے لگی　　مطلعِ صاف میں مضمون کے اُمڈے بادل
مدح ہے شیرِ خدا کی تجھے لکھنی منظور　　اے قلم ہوش میں آ ہوش میں اے ہاتھ سنبھل

مطلع

کعبۃ اللہ میں اصنام گرے منہ کے بل　　بُت شکن کی پڑی لات و ہبل میں ہلچل
منبرِ عرشِ علا تختِ امامِ اوّل　　باغِ فردوسِ بریں چرخِ نہم شیش محل
خدمتِ نخلِ امامت سے یہ حاصل ہوا پھل　　شاخِ طوبیٰ پہ بنا طائرِ سدرہ کا محل
اصل جس نخل کی ہے خاصِ خدا کے گھر میں　　بارِ امامت کا اُٹھائے ہوئے کونپل کونپل
وہ سلیمان ہیں یہ ابر بنا جن کی بساط　　خیمہ ہے چرخِ بریں آپ کا ہے دل بادل
وہ بہادر یہ دلاور ہے کہ جس کے آگے　　جراتِ رستم و بہمن کے فسانے ہیں زٹل
ہے اسی کے لئے اتممت علیکم آیا　　دین اسی کی تو نیابت سے ہوا ہے اکمل
ایسا عالم کہ پڑھا علم نے جس کا کلمہ　　ایسا اُستاد کہ شاگرد ہے عقلِ اوّل
جس سے بیعت کی امامت نے بھی خود ایسا امام　　جس کی امداد کا محتاج رہا ہر مرسل

قاتل مرحب و غارت گر کفر و الحاد — اشجع ملک عرب فاتح صفین و جمل
ایسے دشمن ہوئے حضرت کے سبک روز غدیر — دیکھ کر تیرے بغل ہو گئے منہ زیر بغل
کون اس رتبہ کا ہے بعد رسول الثقلین — جس کا اک وار عبادت سے جہاں کی افضل
ہے اسی طرح ثلاثہ پہ علی کو تفضیل — جس طرح تینوں کتابوں سے ہے قرآں افضل
اب کوئی مدحت حاضر میں قلم کر مطلع — کان میں آ کے یہ فرما گئے عقل اول

ساقی نامہ

ساقیا آج پلانے میں نہ کر لیت و لعل — کعبے سے اٹھ کے وہ میخانہ پہ جھوما بادل
آج میخوار کو میخانہ کی کنجی مل جائے — آج دیدے مرے قبضہ میں صراحی بوتل
ترے الطاف کا اے ابر کرم ہوں پیاسا — آج ایسی کبھی آجائے کہ بھر دے جل تھل
ہے یہ منظور فلک تک ترا شہرہ پہنچے — آج بھر جائے ثریا کی بھی خالی بوتل
آج زاہد کی بھی کچھ بدلی ہوئی ہے نیت — آج بچ کر نہ نکل جائے یہ ناکام ازل
ہو نہ ہو جام میں پابند تکلف ہی نہیں — ہو اگر حکم ترا منہ سے لگاؤں بوتل
نشہ ہو جائے تو اس شان کا مطلع لکھوں — ہو گمان سب کو کہ ہے نادعلی کی ہیکل

مطلع

اے نصیری کے خدا عبد خداوند اجل — مظہر آیت حق نفس نبی مرسل

دیکھ لیں تیرے فقیروں کو اگر اہلِ دول — بیچ دیں فقر کے بدلے میں امارت کے محل
تو ہی مختار ہے دوزخ کا تو ہی جنّت کا — تیری عقبیٰ میں حکومت ترا دنیا میں عمل
آنکھ کھولی تو محمد سے ہوئیں چار آنکھیں — نورِ خالق کا بنا آنکھ کا تیری کاجل
ماہ ہے چاندنی کا پھول ترے گلشن میں — مہر روشن ہے تری بزم کا ادنیٰ سا کنول
بہرہ ور ہوتی نہ اخلاق و ادب سے دنیا — جلوہ افروز نہ ہوتا جو ترا حسنِ عمل
ہے یہ فیضِ قدمِ پاک سے ذروں پہ بہار — طعنہ زن خلد پہ ہوتا ہے نجف کا جنگل
تیرے انصاف کی دنیا میں نہ چلتی جو ہوا — قصۂ بازو کبوتر بھی نہ ہوتا فیصل
راہ بھولے ترا زائر جو اندھیرے کے سبب — ساتھ ہو مہرِ فلک شب کو جلا کر مشعل
تیری الفت میں جو ہو جائے بشر دیوانہ — اس پہ سو جان سے قربان ہو عقلِ اوّل
تیری زلفوں کی سیاہی شبِ معراجِ رسول — تیرے چہرے کی ضیا نورِ خداوندِ اجل
مجھ سے اک ترا ادنیٰ سا گدا یا مولا — ہے غنی دولتِ ایماں سے ہے یہ عینا قل
اہلِ دنیا کو نہ لایا کبھی میں خاطر میں — کبھی بھولے سے نہ کی مدحتِ اربابِ دول
فیض آباد میں لے آیا ہے شوقِ مدحت — نظرِ لطف رہی بہرِ خداوندِ اجل

شرم خادم کی سخن فہموں کے آگے رہ جائے
چار پشتوں سے ہے مداح یہ گمنام ازل

چودھویں کا چاند

ہوئی مصروفِ راحت لیلیٔ شب لے کے انگڑائی
خدیو ماہ پارا شاہِ مشرق نے ظفر پائی

دکھائی صبحِ صادق نے جو اپنی شکلِ نورانی
صبا کچھ سامرہ سے آج اتراتی ہوئی آئی

نہیں ہیں بے سبب یہ وجد کے اٹکھیلیاں اس کی
غدیرِ خم کے رندوں کے لیے مژدہ کوئی لائی

عجب مژدہ ہے گوشِ ہوش سے اے سننے والے سُن
حقیقت کی نظر سے دیکھ او چشمِ تماشائی

جنابِ مہدیٔ دیں کا زمانہ میں قدم آیا
اُٹھیں تعظیم کی خاطر جو ہیں حضرت کے شیدائی

یہ وقتِ عیش ہے اے نجم پڑھ وہ دھوم کا مطلع
کہ جس کو سن کے بھولیں لن ترانی اپنی موسائی

مطلع

زمانہ میں جو نورِ حق کے آنے کی خبر پائی
کلیم اللہ نے جلوہ سے پہلے آنکھ جھپکائی

وہ آئے جن کا آنا تھا سنا سب باغِ عالم میں
وہ آئے جن کے آنے سے زمانہ میں بہار آئی

نہیں آساں صورت دیکھ لینا چھپنے والوں کی
کسی کا جذبِ الفت ہے کسی کی جلوہ آرائی

مرے استاد زادے آئے یہ روح الامیں بولے
ہمارے مقتدا آئے یہ عیسیٰ کی صدا آئی

شجاعت نے کہا فخرِ شجاعانِ جہاں آیا
سخاوت نے کہا اب چھپ گیا ہے حاتم طائی

صدا یہ علم نے دی عالمِ علمِ نبی آیا
صدا یہ حلم نے دی ہے انہی سے منزلت پائی

کہا یہ خضر نے خضر طریقت ہے یہی میرا ‏ زمانہ کو تو ہیں نے اس لئے مجھ کو راہ دکھلائی
کہا اعجاز نے اک اس کی ٹھوکر سے تو قم عیسیٰ ‏ برابر ہو نہیں سکتے جو دکھلائے مسیحائی
کہا فتح و ظفر نے فتح کر لے گا یہ عالم کو ‏ قیامت آئیگی اس شیر نے جب کی صف آرائی
کہا وحدت نے ہمسر کون ہے اس کا زمانہ میں ‏ اسی بندہ سے ظاہر ہے خدا کی شان یکتائی
کہا انصاف نے نوشیرواں کو کیا لیاقت تھی ‏ اسی کے فیض سے میں نے جہاں میں آبرو پائی
کہا یوسف نے سرتاج حسینان جہاں یہ ہے ‏ تصدق ہے اسی کا میری رعنائی و زیبائی
جب ان کا عہد آیا پاؤں پھر کیا کفر کی جمتے ‏ ہٹا تھرا کے پیچھے رعب نے جب آنکھ دکھلائی
قدم جب آ کے چومے فتح و نصرت نے بہادر کے ‏ تو خود اقبال نے اقبال کی اس کے قسم کھائی
فلک پر خوف سے خورشید تھراتا ہوا نکلا ‏ جلالت دیکھ کر چکر میں آیا چرخ مینائی
مشابہ دست حق سے ہاتھ دیکھا جبکہ حضرت کا ‏ تڑپ کر تیغ حیدر میاں سے باہر نکل آئی
فلک سے بھی ادھر آوازہ صل علیٰ پہنچے ‏ تو لا کچھ حقیقت میں اگر ہے او تولائی
خوشی سے نجم شیعوں کو مبارکباد دیتا ہے ‏ حضور شاہ میں پھر عرض کرتا ہے یہ شیدائی
اڑیں گی اب کہاں تک دھجیاں جیب و گریباں کی ‏ کہاں تک مشغلے ڈھونڈھا کریں گے روز سودائی
کہاں تک ضبط اب صبر و تحمل ہو نہیں سکتا ‏ تمنا ہی تمنا میں رہیں گے کیا تمنائی
کہیں ایسا نہ ہو مشتاق آنکھیں بند ہو جائیں ‏ اٹھا دے اب حجاب نور او محو خود آرائی

زمزمہ

پھر بہار آئی ہی ساقی لا چھلکتے جام دے کب سے کرتا ہی طلب یہ رندِ مے آشام دے
آج مجھ کو کچھ نہیں اندیشۂ انجام دے ہاں نکراب پیش و پس لیکر خدا کا نام دے

کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں عاشقانِ حیدری
آج اُمّت کی ملی شیرِ خدا کو افسری

آج ہر مومن کے چہرے سے مسرت ہے عیاں آج آپس میں گلے ملتے ہیں سب پیر و جواں
آسماں پر آج ہیں سارے فرشتے شادماں آج دُنیا میں نظر آتا ہی جنّت کا سماں

کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں عاشقانِ حیدری
آج امّت کی ملی شیرِ خدا کو افسری

آج بھائی کو کیا اپنا نبی نے جانشیں ہو گئے حکمِ خدا سے حاکمِ دُنیا و دیں
دوست ہیں سب شاد و خرم جل رہے ہیں اہلِ کیں پھر گئی ان کی دہائی آسماں سے تا زمیں

کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں عاشقانِ حیدری
آج امّت کی ملی شیرِ خدا کو افسری

آج اپنا جوش دکھلا دے مری طبعِ رواں کھینچ دے تصویرِ محفل تا کہ سب ہوں شادماں

سب کو آجائیں نظر منبر پہ شاہ انس و جاں — لوگ یوں اُٹھیں کہ کہتے ہیں اسے جادو بیاں

کیوں نہ مصروف طرب ہوں عاشقان حیدری

آج اُمت کی ملی شیر خدا کو افسری

ہو گئے منبر پہ لو فخر دو عالم جلوہ گر — وہ اُٹھایا آپ نے بھائی کا بازو تھام کر

وقت خاموشی نہیں اے عاشقان پر جگر — گونج جائے نعرۂ صلوٰۃ سے ہر دشت و در

کیوں نہ مصروف طرب ہوں عاشقان حیدری

آج اُمت کی ملی شیر خدا کو افسری

لو وہ حضرت کی سپیدیٔ بغل ظاہر ہوئی — آ گئی آواز کانوں میں رسول اللہ کی

لو نبی نے کر دیا حیدر کو آج اپنا وصی — لو وہ سن لو نوبت من کنت مولیٰ بج گئی

کیوں نہ مصروف طرب ہوں عاشقان حیدری

آج اُمت کی ملی شیر خدا کو افسری

لو صدائیں وہ مبارکباد کی آنے لگیں — لو وہ آوازیں فلک سے جا کے ٹکرانے لگیں

تدر کو جنت سے حوریں کشتیاں لانے لگیں — بلبلیں بھی یہ ترانہ باغ میں گانے لگیں

کیوں نہ مصروف طرب ہوں عاشقان حیدری

آج اُمت کی ملی شیر خدا کو افسری

آسماں نے اپنے سب اختر نچھاور کر دیئے — پیش حضرت [illegible]

شاعروں نے جب قصیدے نذر سرتا سر کیے — شہ نے ایک ایک بیت پر [illegible]

کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں عاشقانِ حیدری

آج اُمّت کی ملی شیرِ خدا کو افسری

جز ائمہ یہ نہیں کرتا کسی کی بھی ثنا — جھوم کر [illegible] قصیدہ [illegible]

نجم بھی لیگا مقرر اپنے آقا سے صلہ — تم بھی ہاں لے لو اہلِ [illegible]

کیوں نہ مصروفِ طرب ہوں عاشقانِ حیدری

آج اُمّت کی ملی شیرِ خدا کو افسری

ادب

پراگ راگ

یاد ہے مجھ کو الہ آباد وہ لطفِ چمن　　تیری خسرو باغ میں تھی گرم اپنی انجمن
میں نہ بھولوں گا کبھی کیفیتِ گنگ و جمن　　واں بھی لے پہنچا مذاقِ شعر یا دیوانہ پن

آئے ہوں گے اہلِ دُنیا اس طرح کم دیکھنے
ہم گئے تھے جس نظر سے ترا سنگم دیکھنے

دونو دریا تیرے پہلو میں ہیں دو دریائے نور　　ہیں یہ دو معشوق اللہ دو حسیں ہیں پُر غرور
دو شرابی مست ہیں کھوئے ہوئے عقل و شعور　　سچ اگر پوچھو تو دو مصرعِ موزوں ہیں ضرور

تیسرا دریا نہیں یہ ہے اشارہ صاد کا
تیرا سنگم ہے کہ مطلع ہے کسی اُستاد کا

دو کسی کافر کے گیسو ہیں یہ بل کھاتے ہوئے　　دو یہ کالے ناگ ہیں پانی کے لہراتے ہوئے
ہیں یہ دو مینا مبر آتے ہوئے جاتے ہوئے　　دو کوئی ساغر بکف ساقی ہیں اٹھلاتے ہوئے

دو نمازی منہمک ہیں سجدۂ معبود میں
دو مسافر ہیں تلاش منزل مقصود میں
چھین لیں دل دیکھنے والے کا وہ اٹکھیلیاں　جیسے آپس میں گلے ملتی ہیں دو ہنسلیاں
موج میں اپنی بسر کرتی ہیں یہ البیلیاں　سب کو دیتی ہیں سبق ہیں کس گرو کی چیلیاں
میل ان دونوں کا ہے گویا اک اخلاقی جہاد
ایک تصویر محبت اک مثال اتحاد
دفتر کونین کا زرّیں سے بھی زرّیں ورق　مکتب اخلاق کا بہتر سے بھی بہتر سبق
وہ خزانہ جس خزانہ کا زمانہ مستحق　گبر و ترسا کافر و مومن کا یکساں جس میں حق
دست فیّاض کریم و کاہش جان بخیل
سینکڑوں قوموں کی خاطر ایک پانی کی سبیل
قابل تحسین ہے تیری نگاہ انتخاب　ہیں دیار ہند میں دو تو یہ دریا لاجواب
صبح جنت اس کو کہئے اور اسے موج شباب　سرتی سے اور بھی کچھ بڑھ گئی ہے آب و تاب
تیری ترہبنی پہ کیونکر ہو نہ عالم نور کا
اس میں دو پرہیں پری کے ایک آنچل حور کا
کون آکر دیکھتا ہے دوپہر کا یہ سماں　کیا ستم کرتا ہے ملکر دھوپ آب رواں

۵۲

چادرِ آبی پہ کرنوں کی غضب زر دوزیاں　　بلبلے ہیں یا کہ رقصاں ہیں سنہری تتلیاں

کون جانے لطف کیا ساحل کے سناٹے میں ہے
جس نے یہ منظر نہیں دیکھا وہی گھاٹے میں ہے

تجھ کو بھی معلوم ہے ساحل پہ تیرے لیے ہے آگ　　حسنِ عالم سوز نے کیسی لگا رکھی ہے آگ
آگ پانی ایک جا ہے دیکھ لے قدرت کی لاگ　　تو تو کچھ بیہوش سا ہے میں سناؤں کس کو راگ

تیری مدہوشی بجا ہے تو رہے کیا ہوش میں
آنکھ جب کھولی نظر آئے حسیں آغوش میں

چشمِ جادو دیکھ کر وحشی سراپا بن گیا　　خالِ ہندو دیکھ کر چشمِ تمنا بن گیا
اُلجھے گیسو دیکھ کر بگڑا سا نقشا بن گیا　　انجم جب محوِ تماشا سے تماشا بن گیا

دی صدا دل نے یہ فطرت کی تماشہ گاہ ہے
چشمِ بینا نے کہا اللہ ہی اللہ ہے

کسان

ہے حیاتِ نوعِ انسانی تری ہستی کا راز ۔۔۔ کچھ خبر بھی ہے تجھے او بھولے بھالے بے زباں
تجھ سے بہتر کس نے کیں خلقِ خدا کی خدمتیں ۔۔۔ تجھ سے بڑھ کر سیر چشمی کی دکھائی کس نے شاں
ہے ترا مرہونِ منت بادشہ ہو یا گدا ۔۔۔ ہے ترا ممنونِ احساں پیر ہو یا نوجواں
تجھ کو خالق نے دیا ہے رتبۂ ابرِ کرم ۔۔۔ ہیں ترے خوانِ کرم پر دوست دشمن میہماں
تو ہی باخلاص خادم ایک ملک و قوم کا ۔۔۔ بے ریا اک دوست ہے تو بے غرض اک مہرباں
تیرے نغمے ہیں فقط دلسوز تیرے کھیت پر ۔۔۔ یہ بھلا دیتے ہیں سب دن بھر کی محنت کی تکاں
دل میں رکھ لیجیے تری اُس وقت کی سچی خوشی ۔۔۔ جب پلاتا ہے زمیں کو تیری پانی آسماں
قابلِ صد رشک ہے یہ سیدھی سچی زندگی ۔۔۔ سادگی پہ تیری صدقے شہریوں کی آن بان
تیرا طرزِ زندگانی ہے تصنّع سے بری ۔۔۔ تیری باتوں میں نہیں مطلق بناوٹ کا نشاں
دیکھنے والوں کی آنکھیں ہیں حقیقت بیں اگر ۔۔۔ ہیں کہیں محلوں سے بالاتر ترے کچے مکاں
تو نہیں واقف کہ کہتے ہیں کسے مکر و فریب ۔۔۔ تجھ پہ ہوتا ہے مجھے اکثر فرشتے کا گماں
تجھ کو اُلفت ہے مویشی سے بھی بچوں کی طرح ۔۔۔ دہر میں قائم ہے تیری ذات سے امن و اماں
قابلِ تقلید ہے یہ تیرا ایثارِ عجیب ۔۔۔ تو نے دنیا میں دیا ہے سب سے اچھا امتحاں

نجم کو اکثر کڑھاتی ہیں تیری جانکاہیاں   کون ہے اِن تیری اَن تھک کوششوں کا قدرداں

اپنی محنت کے ثمر وقف تمنّائے جہاں

مرحبا اے مردِ میداں صاحبِ ہمت کساں

دارالادب اکبر آباد

اے دیارِ آگرہ اے ہند کے دارالادب　　بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و منتخب
مدفنِ شاہِ جہاں اُردو کی خلقت کا سبب　　تجھ سے ملتا ہے جہاں میں نسل اُردو کا نسب

کیوں نہ ہو آفاق میں پھر تیری ہستی لاجواب
چھانٹ لے جب تجھ کو اکبر کی نگاہِ انتخاب

ہیں زبانوں پر تری رونق کے افسانے بہت　　شمع وہ تھے سینکڑوں تجھ میں تو پروانے بہت
اس ڈھلے جوبن پہ بھی نکلیں گے دیوانے بہت　　بن گئے ہیں تیرے میخانے سے میخانے بہت

خوبیاں سب مٹ چکیں بس نام باقی رہ گیا
بانٹ کر سب جام خالی ہاتھ ساقی رہ گیا

تھے نظیرؔ و جرأتؔ و مضمونؔ کیا کیا من چلے　　کس سے پنہاں ہیں دکھائے جو بقانے ولولے
وہ ہمارے میرؔ و غالبؔ تھے اسی گودی کے پلے　　لکھنؤ دلّی کے جن کے نام سے سکّے چلے

جانجاناں حضرت مظہرؔ تھے جانِ آرزو
شاعروں کے قبلہ و کعبہ تھے خانِ آرزوؔ

دورِ اوّل میں کوئی مضمونؔ سے بہتر نہ تھا　　آرزوؔ سے دورِ ثانی میں کوئی بڑھ کر نہ تھا

میر کا دورِ سوم میں ایک بھی ہمسر نہ تھا　　دورِ چارم میں کسی کو فوق جرأت پر نہ تھا

درحقیقت رشکِ عرفی فخرِ طالب ہو گیا
دورِ پنجم میں تو غالب کل و غالب ہو گیا

سب پہ ظاہر ہے فصیح ذی شرف کا علم و فن　　تھا امیر و قیصر و آغا سے کیا لطفِ سخن
تھی رسا کی ذات گویا ایک شمعِ انجمن　　بھول سکتا ہے رئیسِ خوش بیاں کا بانکپن

کیوں نہ ہوتا تجھ پہ صدقے ہر گھڑی ہر بار چاند
فیضِ مہر و ماہ سے تجھ کو لگے تھے چار چاند

اب نہ باندانی کا دعویٰ کر رہا ہے اک جہاں　　بن رہے ہیں دمِ پنجاب تک اہلِ زباں
تیری خاموشی ہے پوشیدہ ہے کیا رازِ نہاں　　دل ہی میں گھٹ گھٹ کے اٹھتے کیوں نہیں آہیں کا دھواں

منظرِ عبرت یہ ظلمِ چرخِ نیلی پوش ہے
بولنا جس نے سکھایا سب کو وہ خاموش ہے

کیوں تجھے چپ لگ گئی ہے او مرے ناز آفریں　　بلبلیں اب بھی تری رنگیں چمن میں کم نہیں
ہنس رہی ہے تجھ پہ دنیا کھول چشمِ شرمگیں　　پھر بنا دے سرزمیں کو اپنی چرخِ چارمیں

آگ دنیا میں لگا دیں وہ شرارے اب بھی ہیں
چاند سورج بجھ گئے اگر پہلے ستارے اب بھی ہیں

ہے امانت آج تک قلبوں میں وہ سوز و گداز ہے وہی اگلا سا حسن و عشق میں راز و نیاز
پھر قیامت ہے یہ خاموشی تری او محو ناز بتکدہ کیوں بن گئی محفل تری محفل طراز

بادہ کش لاکھوں ہیں ذوق بادہ پیمائی نہیں
اتنے دیوانے ہیں اور ہنگامہ آرائی نہیں

مٹ گیا کیوں نام تیرا تیری شہرت کیا ہوئی تیرے فرزندوں کی تجھ سے وہ محبت کیا ہوئی
تجھ سے ہی نقاد[1] شاکی تیری غیرت کیا ہوئی اک قیامت ہو گئی کمبخت غفلت کیا ہوئی

ایک بلبل نالہ کش ہے جو چمن سے دور ہے
نجم کو سودا ہے کچھ کچھ وہ وطن سے دور ہے

لے میرے ہموطن اور معزز دوست حضرت شاہ دلگیر کی اڈیٹری میں جو رسالہ آگرہ سے نکلتا ہے

وصفِ آصف

دُنیا ہے رنج و غم کی منزل زخم تازہ ہے روز حاصل
صرفِ فریاد کیوں نہو دل اُٹھا اک اور مرد کامل
ہر قلب پہ غم کا بار ڈالا
واآصف نے مر کے مار ڈالا

وہ شعر کی جان سخن کی زینت ہر بزم ہر انجمن کی زینت
وہ گل جس سے چمن کی زینت وہ دُر جس سے عدن کی زینت
کیا کیا نہیں سب نے خاک چھانی
مٹی میں ملا کے موت مانی

ہر قلب میں تھا وقار اُس کا ہر دل میں تھا اعتبار اُس کا
سب سے جھکنا شعار اُس کا رحمت کا ہو گھر مزار اُس کا
ایسا کوئی صلح جو نہو گا
ہو گا یہ فرشتہ خو نہو گا

حالی سب پر ہے حالِ وصف جاسے کیوں کر خیالِ واصف

ں طرح نہو ملالِ واصف   اللہ اللہ کمالِ واصف

جتنا اُسے ضعف نے گرایا

اُتنا ہی قلم میں زور آیا

اُس کی وہ زندگی تھی سادی   کیا وضع اخیر تک نبھا دی

لِ سادہ روی دکھا دی   خاموشی میں بات یہ بتا دی

سر میں نہ کبھی غرور رکھنا

ہر وقت خودی کو دور رکھنا

ـا شعر و سخن کا مرد میداں   اُردو پہ کئے ہیں اُس نے احساں

ہ کا بھی چاک ہے گریباں   ذاتِ واصف تھی ابرِ نیساں

اُردو کیوں کر نہ اُس کو روتی

کیسے نگ کیسے لُٹ گئے موتی

جو خبر فغاں کی صورت   دیکھی بس آسماں کی صورت

ـا در دہاں کی صورت   دل بیٹھ گیا مکاں کی صورت

اُٹھتے جاتے ہیں اُف مشاہیر

اے نجم یہ آگرہ کی تقدیر

صبح و شام

ہیچ ہیں قول و قرار صبح و شام — زندگی اور اعتبار صبح و شام

فکر منعم کو غریبوں کی کہاں — ہے وہ مصروف شمار صبح و شام

دشت غربت میں ہوئی قدر وطن — اور کچھ تھی واں بہارِ صبح و شام

ہر گھڑی ہے خوف پیغامِ اجل — خاک کیجے اعتبار صبح و شام

اب بھی دل دُنیا سے اُکتایا نہیں — کر تو او غافل شمار صبح و شام

ہیں سبق آموز یہ نیرنگیاں — دیکھ او محو بہار صبح و شام

چل بسا بیمار او پیماں شکن — کرتے کرتے انتظار صبح و شام

دل جلے ناکام نکلے کام سے — مہر و مہ پر ہے مدار صبح و شام

جوش وحشت میں نکل جاؤں کدھر — نجم گھیرے ہے حصار صبح و شام

تقریظ

حضرت بزم اکبر آبادی سے دُنیائے شاعری میں بچہ بچہ واقف ہے، آپ اُن باکمال اور مشاق شعراء میں ہیں جن کا وجود دُنیائے ادب و دُنیائے شاعری کے لئے ضروری کیا زندگی کا سبب قرار دیا گیا ہے، آپکے کلام سے قدماء کا رنگ ٹپکتا ہے، نازکخیالی و بلاغت کے پہلو عجیب مزے دار ہوتے ہیں، آپکے خلف رشید جناب نجم اکبرآبادی کی تعریف بھی محتاج بیان نہیں، تعارف کے لئے محض یہ لکھدینا کافی ہے کہ آپ حضرت بزم کے فرزند ارجمند ہیں، اور حضرت منیر شکوہ آبادی مرحوم کے سلسلۂ خاندان میں ہیں، اپنی نوجوانی کے ساتھ طبیعت بھی جوان رکھتے ہیں، جس موقع پر کہتے ہیں خوب کہتے ہیں، میرے خیال میں جناب نجم چمنستان شاعری کے اُن نونہالوں میں ہیں جن کی حیات پر آئندہ بہاروں کا دار و مدار ہے، ایسی طبیعتیں دُنیا میں بہت کم ہوتی ہیں،

آپ کی نظموں کا یہ مختصر مجموعہ (پھولوں کا ہار) بھی گویا ایک گلدستہ ہے جس میں رنگ برنگ کے پھولوں کو سلیقے سے جمع کیا ہے، یا یوں کہئے کہ ایک

لڑی ہے جس میں انواع و اقسام کے موتی پروئے گئے ہیں، موجودہ زمانے
کے شعراء کہنہ مشق ہوں یا نومشق، کثرت سے ایک ہی رنگ میں اپنا زور قلم
دکھا رہے ہیں، ایسی طبیعتیں بہت کم ہیں جو شاعری کے اصناف میں تکمیل
کی کوشش کریں،

میں نے جناب نجم کا کلام مختلف اصناف میں دیکھا ہے اس لئے وثوق کے ساتھ
کہہ سکتا ہوں کہ آپ شاعر ہیں اور بہت اچھے شاعر ہیں، ع

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ،

اس مجموعے سے ناظرین جناب نجم کے زور قلم کا اندازہ کر سکتے ہیں، یہ آپ کی
اعلیٰ تصانیف کا نمونہ ہے، خدا آپ کے کلام کو مقبول عام بنائے اور آپ
کو زندگی جاوید عطا فرمائے،

میں آج کل متردد و پریشان ہوں اس لئے یہ چند سطریں لکھدی ہیں، البتہ اپنے
رسالے (نظارے) کے کسی نمبر میں مفصل ریویو لکھونگا، انشاء اللہ!

محمد عبد الحمید حمید - ایڈیٹر رسالہ النظارہ بمبئی

۲۴ اکتوبر ۱۹۱۸ء

نظارہ

ادب اُردو کا ایک ماہوار رسالہ

جس میں اعلیٰ درجہ کے اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، ادبی، تاریخی، تنقیدی مضامین شائع ہوتے ہیں، شعرائے مشاہیر کا منتخب کلام شائع ہوتا ہے، لکھائی، چھپائی نہایت عمدہ، کاغذ نفیس، (سائز ۲۰ × ۳۰) حجم کم از کم پچاس صفحات، قیمت سالانہ تین روپئے نمونہ پانچ آنے کے ٹکٹ پہنچنے پر روانہ ہوتا ہے۔ (منیجر "نظارہ" میرٹھ)

معراج الکلام

دُنیائے ادب کے آفتاب ہندوستان کے مشہور و معروف سحر نگار شاعر اور مسلم الثبوت اُستاذ سلطان القلم حضرت نجم آفندی اکبرآبادی کی ایک حیرت انگیز تصنیف یہ مولود و معراج کا ایک مسدس ہے جسکے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ اس سے بہتر مولود و معراج عربی فارسی اُردو کسی زبان میں آج تک نظم نہیں ہوئی ہندوستان کے جس گوشہ میں یہ مسدس پڑھا گیا ہے اس نے وہ عام مقبولیت حاصل کی ہے کہ ہر سمت سے اس کے طبع کرانے کا حد سے زیادہ اصرار ہے اسکے پڑھنے سے قلوب میں جو کیفیت اور جوش پیدا ہوتا ہے اُسکے اظہار سے زبان قلم قاصر ہے یہ ایک ایسا تحفہ ہے جس سے کسی مسلمان کا گھر خالی نہ رہنا چاہیے حضرات صوفیا اور مولود خوانوں کے لئے ایک نعمت ہے ہمنے اسکا طبع کرانا شروع کرادیا صرف دو ہزار جلدیں طبع ہونگی، درخواستیں نجم آفندی اکبرآبادی غازی آباد ضلع میرٹھ کے پتہ سے جلد از جلد بھیجئے ورنہ بعد میں افسوس ہوگا

ن ۱۲ ب

۸۹۱۶۳ ۲ ۱

MUSLIM UNIVERSITY LIBRARY
ALIGARH

This book is due on the date last stamped. An over due charge of one anna will be charged for each day the book is kept over time.